

## پیغام (علامہ محمد اقبالؒ)

### مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
آشنا	واقف
باراں	بارش
رہرو	راہی، مسافر
اندیشہ	ڈر، خوف
ناخدا	کشتی کھینے والا، ملّاح
محمل	کجاوہ، ایک خاص قسم کی ڈولی جو سواری کے لیے اونٹ پر باندھتے ہیں
قیس	مجنوں کا نام
باطل	جھوٹ
خاشاک	کوڑا کرکٹ
غیر اللہ	اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے

(بورڈ 10,13,18,2008)

خلاصہ:

اے کسان! زراعت کے عمل میں بیج، زمین، بارش اور پیداوار تو ہی ہے۔ اگر تو کسی نصب العین کی تلاش میں ہے تو راستہ، مسافر، رہبر اور منزل تو ہی ہے۔ سمندری سفر میں ملّاح، کشتی، سمندر اور ساحل تو ہی ہے۔ اس لیے تجھے چاہیے کہ تو کسی طرح کا ڈراپے دل میں نہ آنے دے۔ عشق کے میدان میں قیس اور لیلیا تو ہی ہے۔ مستی کے جہان میں ساقی، پیانہ، مے اور مے خانہ تو ہی ہے۔ تمام مظاہر تیری ہستی کے گرد گھومتے ہیں۔ اے مسلمان! تجھے باطل قوتوں سے نہیں ڈرنا چاہیے کیوں کہ تیرا فرض انھیں مٹانا ہے۔ تو اپنے آپ سے بے خبر ہے ورنہ تو کائنات کی آب و تاب ہے اور زمانے میں اللہ کا آخری پیغام ہے۔

☆☆☆☆☆

شعر نمبر 1:

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں! ذرا  
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

**تشریح:** عظیم فلسفی شاعر علامہ محمد اقبالؒ برصغیر کے مسلمانوں کے قومی راہنما تھے۔ ان کی شاعری نے اس خطے کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیر تشریح شعر میں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر کسان ہے تو زراعت کے عمل میں اُسے مرکزیت حاصل ہے۔ بیج، زمین، بارش اور پیداوار وہی ہے۔

نظم پیغام علامہ اقبالؒ کی مشہور نظم ”شع اور شاعر“ سے منتقِس ہے جس میں شمع نے شاعر کو مسلمان کی عظمت کی یاد دہانی کرائی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مردِ مسلمان انسانِ کامل ہے۔ اللہ نے جب انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے ہم کلام ہوتے ہوئے انسان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۝ ”میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اپنا خلیفہ قرار دیتے ہوئے اُس کے لیے کائنات کی ہر چیز پیدا کی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے ”دنیا تمہارے لیے بنی۔“ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیے پیدا کیا اور کائنات کی ہر چیز کو انسان کے تابع اور مسخر کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے: ”اور ہم نے زمین کی ہر چیز تمہارے تابع کر دی۔“ مردِ مسلمان خدا کا خلیفہ اور جانشین ہونے کی وجہ سے کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے کائنات میں مردِ مسلمان کی مرکزیت کی وضاحت مختلف مثالوں کے ذریعے کی ہے۔ چنانچہ تشریح طلب شعر میں اقبالؒ زراعت کے عمل کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کسان غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس کی ذات سب سے اہم اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ کسان اگر اپنی اہمیت اور حقیقت سے واقف ہو جائے تو یہ بات اُس پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ زراعت کے عمل میں اُسے مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ کھیت بھی وہی ہے، بیج بھی وہی ہے، برستا پانی بھی وہی ہے اور فصلوں سے جو کچھ حاصل ہو رہا ہے وہ بھی کسان ہی ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

موسم اچھا، پانی وافر مٹی بھی زرخیز  
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان  
اپنی خودی پہچان

چار مختلف چیزیں جو اگر الگ الگ ہوں تو اُن کی کوئی اہمیت یا افادیت نہیں ہوتی۔ زمین اُس وقت تک بے کار ہے جب تک اُسے استعمال میں نہ لایا جائے۔ خود بخود تو اس سے نہ فصلیں اُگ سکتی ہیں اور نہ لوگوں کی غذائی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ بیج اگر بوریوں میں بند رہیں تو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح بارش بے کار جاتی ہے، اگر زمین میں بیج نہ بوئے جائیں۔ گویا یہ ساری چیزیں اُس وقت کارآمد ہوتی ہیں جب ان میں کسان کی محنت شامل کی جائے۔ کسان جو زمین کو ہموار کرتا ہے، جڑی بوٹیوں کو نکالتا ہے، ہل چلاتا ہے، زمین کو سیراب کرتا ہے۔ یہ اُس کی محنت ہے جو ہمیں اناج کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کسان کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ زرعی عمل میں کسان ہی سب کچھ ہے اس کے سوا سب چیزیں اضافی ہیں۔ کسان کی منزل مقصود فصل حاصل کرنا ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے لیے کسان کی منزل مقصود اس کی اپنی ذات میں چھپی ہوئی ہے۔ اپنی ذات سے آگہی ہی انسان کو اپنی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی ذات سے اس آگاہی کو خودی کا نام دیتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی  
تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

شعر نمبر 2:

آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے  
راہ تو، رہو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو



**تشریح:** تو اپنے آپ سے آگاہ نہیں ورنہ تیری ذات ہی تیرا نصب العین بھی ہے۔ تو خود ہی راستہ ہے اور اس پر چلنے والا بھی، راستہ دکھانے والا بھی اور منزل مقصود بھی۔ اگر تو اپنے آپ کو پہچان لے تو تجھے ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہ پڑے۔

اگر انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو اسے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہے کہ

”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا گویا اس نے اللہ کو پہچان لیا“

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن (اقبال)  
اپنے آپ سے آگاہ ہونا، اپنی اہمیت سے باخبر ہونے کو علامہ اقبالؒ خودی کا نام دیتے ہیں۔ انسانی سرگرمیوں پر اگر غور کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ انسان کی ساری تگ و دو کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہے۔ مقصد کا حصول، اُس کے لیے راستے کا تعین اور اُس راستے پر چلنے کے لیے ایک راہ نما کی ضرورت انسان کو ہمیشہ رہتی ہے۔ بعض اوقات انسان ساری زندگی گزار لیتا ہے لیکن اُس پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ کرتا رہا ہے وہ کس لیے اور کس کے لیے کرتا رہا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے آپ کو جان لے تو پھر ساری کائنات اُس کی ذات میں سمٹ آتی ہے۔ ایک فرد کا ادھر ادھر مارا مارا پھرنا، منزل مقصود کے لیے سرگرداں ہونا علامہ اقبالؒ کے موقف کے مطابق اپنی ذات سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو اسے کہیں مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں۔ منزل خود اس تک پہنچ جائے گی۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو

آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

شعر نمبر 3:

کانپتا ہے دل ترا، اندیشہ طوفاں سے کیا

ناخدا تُو، بحر تُو، کشتی بھی تُو، ساحل بھی تُو

**تشریح:** سمندری سفر میں تجھے طوفان کے خیال سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ ملاج، سمندر، کشتی اور ساحل تو ہی ہے۔

اثباتِ ذات کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ تو خواہ مخواہ طوفان کے آنے سے ڈرتا ہے حالانکہ تیری ذات ہی میں سمندر بھی موجود ہے، کشتی بھی موجود ہے ملاج بھی موجود ہے اور ساحل بھی موجود ہے۔ کہ انسان ہی اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہو، اگر اسے معلوم ہو کہ قدرت نے اس میں بے پناہ قوتیں پوشیدہ رکھی ہیں تو کوئی خطرہ اس کے عمل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تُو

قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحر بے پایاں بھی ہے

کسی بھی فرد کی ترقی کا انحصار عمل اور جدوجہد پر ہوتا ہے۔ اگر انسان مسلسل جدوجہد کرتا رہے تو اُس کی ترقی کی کوئی آخری حد متعین نہیں کی جاسکتی۔ یہی اصول اجتماعی زندگی پر قوموں کی زندگی پر بھی صادق آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان کو جان جانے کا خوف ہوتا ہے۔ وہ اپنی عزت غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ اولاد کے بارے میں اُس کے دل میں مختلف خدشات ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دولت اور مال و جائیداد کو غیر محفوظ سمجھتا ہے تو وہ خاموش ہو کر رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی بھی صورت میں جدوجہد ترک نہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے تصورِ خودی پیش کیا اور یہ بتایا کہ جب انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُسے جذبہٴ عشق بھی حاصل ہو جاتا ہے تو عمل کے راستے میں موجود ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے یہاں مردِ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کے رعب و دبدبے سے دریاؤں کے دل دہل جاتے



ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن  
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان  
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم  
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

علامہ اقبالؒ کا موقف ہے کہ تمہیں کسی طوفان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سمندر اور اس میں موجود ہر چیز تیری ذات کے لیے بنائی گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تُو اپنے آپ کو، اپنی اصلیت کو اور اپنی حقیقت کو پہچان لے۔

شعر نمبر 4:

دیکھ آ کر کوچہ چاک گریباں میں کبھی!  
قیس تُو، لیلیٰ بھی تُو، صحرا بھی تُو، محل بھی تُو

تشریح: عشاق کے جہاں میں مردِ مسلمان مجنوں بھی ہے اور لیلیٰ بھی، صحرا بھی ہے اور کچاؤہ بھی۔

اگر تم پر حقیقت منکشف ہو جائے تو تمہیں یہ احساس ہو کہ محبت میں من و تو کی تخصیص بے معنی ہے۔ اگر محبت کرنے والوں میں آ کر تم دیکھو تو تمہیں پتا چلے کہ محبت کرنے والے بھی تم ہو، جس سے محبت کر رہے ہو وہ بھی تم ہو، جس کی تلاش جاری ہے اور جس جہان میں تم اُسے تلاش کر رہے ہو وہ بھی خود تم ہی ہو۔ مشرق میں محبت کا تصور عام طور پر نفی ذات سے مشروط ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کے سامنے اپنی ذات کی نفی کر دیتا ہے۔ اپنے آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

صوفیائے کرام رحمہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا جو تصور دیا وہ بھی نفی ذات پر مشتمل تھا۔

فنائی المرشد، فنائی الرسول کی منزلوں سے گزر کر فنائی اللہ کی منزل تک صوفیائے کرام رحمہم پہنچتے تھے۔ لیکن علامہ اقبالؒ نے اس کے برعکس اثبات ذات پر زور دیا کہ انسان کی اپنی ذات کے علاوہ اور جو کچھ ہے اُس کی اہمیت ثانوی ہے۔ چنانچہ وہ قیس اور لیلیٰ کی تلمیح کے ذریعے ہم پر یہ واضح کرتے ہیں کہ اگر حقیقت جاننے والوں کے درمیان تم آ جاؤ تو تمہیں احساس ہو کہ قیس، لیلیٰ، صحرائے عرب اور لیلیٰ کی سواری کا اونٹ کوئی الگ الگ چیز نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ ہماری کم علمی یا نادانی ہے کہ ہم نے ایک حقیقت کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ خود اپنی تلاش میں ہم اپنے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ لیلیٰ منزل کی علامت ہے جب کہ صحرا منزل کے حصول کے راستے میں حائل رکاوٹوں کی علامت ہے اور قیس تلاش و جستجو کا ظاہر کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے تو منزل کے راستے میں ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور منزل تک اس کی رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچان لے۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تُو نے اے مجنوں!  
کہ لیلیٰ کی طرح تُو خود بھی ہے محل نشینوں میں

(بورڈ 2019ء)

شعر نمبر 5:

وائے نادانی! کہ تُو محتاج ساقی ہو گیا  
مے بھی تُو، مینا بھی تُو، ساقی بھی تُو، محل بھی تُو



**تشریح:** تیری نا سبھی پر افسوس ہے کہ تو شراب پلانے والے کا محتاج ہو گیا ہے حالاں کہ شراب، پیانے، ساقی اور محفل تو ہی ہے۔ انسان جب اپنے آپ سے آگاہ نہیں ہوتا تو دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ یہ تمھاری نا سبھی ہے کہ تم نے پینے کی خاطر ساقی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہو ورنہ حقیقت میں شراب بھی تمھی ہو، صراج بھی تمھی ہو، شراب پلانے والے بھی تمھی ہو اور محفل بھی تمھارے دم سے موجود ہے۔ غرض کائنات کی ہر چیز تمھارے لیے ہی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے:

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں

جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں

انسانی زندگی کچھ ضروریات رکھتی ہے جنھیں پورا کرنے کے لیے انسان گروہی زندگی گزارتا ہے لیکن یہ گروہی یا سماجی زندگی افراد کو مختلف طبقات میں بانٹ دیتی ہے۔ بعض طبقوں کو زندگی کی ہر نعمت اور سہولت میسر ہوتی ہے۔ جب کہ بعض طبقات محرومی کا شکار ہوتے ہیں اُن کی یہ محرومی دراصل اپنی صلاحیتوں سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے، اپنی صلاحیتوں سے واقف ہو جائے تو وہ کسی دوسرے انسان کا محتاج نہیں رہتا۔

اصل میں جب انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے تو اپنا حق حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں، ایک بزورِ بازو (قوت کے بل بوتے پر) حق حاصل کرنا اور دوسرا اپنے حق کے لیے بھیک مانگنا۔ بزورِ بازو حق مانگنے کے لیے جرأتِ کردار کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات جان جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے دیکھا ہی گیا ہے کہ محروم طبقات مراعات یافتہ طبقات کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں جس سے انسانیت کی توہین ہوتی ہے۔ جسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پسند نہیں کرتے۔

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں  
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

(بورڈ 19-11-2007)

شعر نمبر 6:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو  
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

**تشریح:** اللہ کا غیر ایک تنہا کی مانند ہے جسے تو چنگاری (شرار) بن کر جلا سکتا ہے۔ تجھے باطل سے ڈرنا نہیں چاہیے کیوں کہ تو اُسے ختم کرنے والا ہے۔

باطل قوتوں سے ڈرنے کی بجائے تمھیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اُس کے مدِ مقابل جو کچھ ہے اُسے ختم کر دے۔ جس طرح آگ خس و خاشاک (گھاس پھوس) کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اس طرح تمھیں بھی چاہیے کہ باطل قوتوں سے ڈرنے کی بجائے ان کے مدِ مقابل آ جاؤ۔ کہ تمھی نے باطل قوتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلق کیا، زمین پر اُسے اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا۔ فرشتوں کو اُس کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تو ابلیس نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ مردود قرار پایا۔ اُس نے مہلت مانگی جب مہلت مل گئی تو کہا کہ میں آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو ہمارے ہوں گے تو انھیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ اُس دن سے لے کر آج تک حق و باطل کے درمیان کشمکش جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ تمھیں باطل قوتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ حق آیا تو باطل مٹ گیا،



بے شک باطل مٹنے ہی کے لیے تھا۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں لیکن ہم نے کتنے ہی معبود بنائے ہیں جنہیں ہم پوجتے رہتے ہیں۔ باطل کی تباہی اور بربادی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے علاوہ انسان کسی کے سامنے نہ جھکے۔ یہی حوصلہ علامہ اقبالؒ ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھوں تو باطل نے مٹا ہے تو پھر تم کس لیے باطل سے ڈر رہے ہو۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری  
تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

(بورڈ 11-2007)

شعر نمبر 7:

بے خبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے  
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

تشریح: مسلمان اپنی ذات سے بے خبر ہے ورنہ وہ کائنات کی آب و تاب اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو صدیوں کا حاصل اور اس کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ انسان سے کروڑوں سال پہلے یہ کائنات خلق ہوئی۔ یہ اجرام فلکی ان میں سورج، کہکشاں، ستارے، چاند اور ہماری زمین موجود ہے۔ نامعلوم کب سے خلق ہوئیں۔ ان کے علاوہ نباتات، جنات، ملائکہ، حیوانات بھی نامعلوم کب سے موجود ہیں لیکن جب اس کرہ ارض پر اپنا جانشین اللہ تعالیٰ نے مقرر کرنا چاہا تو آدمؑ کو بنایا اور یہ کہا کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت پر خلق کیا ہے۔ انسان کو دوسری مخلوقات سے برتر بنایا گیا۔ علامہ اقبالؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر انسان تاریخ پر نظر دوڑائے تو اسے یہ احساس ہو جائے کہ ان گنت صدیوں کا حاصل، نچوڑ اور قیمتی موتی انسان کا وجود ہے۔ انسان ہی کائنات کا اصل دولہا ہے جس کے لیے یہ کائنات سجائی گئی ہے اور وہی اس زمانے میں خدا کا آخری پیغام بھی ہے۔

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا  
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجمان ہو جا

لیکن انسان اپنے آپ سے بے خبر ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خود آگاہی حاصل کرے جو اقبالؒ کے نزدیک دو چیزوں سے مرکب ہے:

(1) خود شناسی (2) خود انحصاری۔

جب انسان اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے، اپنے وسائل پر انحصار کرتا ہے تو اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے۔ اور پھر تکمیل خودی کے لیے ضبط نفس، اطاعت اور نیابت الہی کی منزلوں سے گزر کر ساری کائنات کو اپنے اختیار میں کر سکتا ہے۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی  
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

جہاں انسان تمام مخلوقات میں افضل قرار پایا اور خدا کا آخری پیغام بنا وہاں اسلام آخری الہامی مذہب ہے جس کے بعد اب اور کسی دین نے نہیں آنا۔ مسلمان اسلام کی نمائندگی کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے تشریح طلب شعر کا ایک امکانی پہلو یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان اس دنیا میں خدا کی طرف سے آنے والے آخری پیغام کو دنیا تک پہنچانے والا ہے لیکن امت مسلمہ اپنی خودی سے محروم ہو گئی ہے۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو پہچان لیں تو ساری کائنات ایک مرتبہ پھر ان کے اختیار میں ہوگی۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا  
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

☆☆☆☆☆